

حرمین الشریفین میں میری پہلی حاضری

پینتالیس سال قبل سفر حج کے احوال و مشاہدات لکھی گئی ڈائری کے اوراق

وصال محبوب کے صبح و شام : مدینہ کی روح پرور بہاریں

پینتالیس سال قبل میری پہلی حرمین الشریفین حاضری کے سلسلہ میں مارچ کے شمارہ میں حرمین الشریفین سے میرے بھیجے ہوئے خطوط اور جواب میں حضرت والد ماجد قدس سرہ کے والا نے شائع ہوئے ہیں جس سے قیام حرمین کے حالات پر اجمالی روشنی پڑتی ہے۔ قارئین نے اسے بے حد پسند کیا، سفر کے دوران ایک چھوٹی سی جیبی ڈائری میں ضروری حالات روزنامہ کی شکل میں نوٹ کرتا رہا مگر وہ ڈائری تلاش کے باوجود نہیں مل رہی تھی، مارچ کے شمارہ میں سفر حج کی مراسلاتی رپورٹ پڑھ کر کسی اللہ کے بندہ کی دعا قبول ہوئی اور گمشدہ ڈائری کاغذوں کے انبار سے مل گئی اور آج الحمد للہ اس ڈائری کے نقوش نذر قارئین کئے جا رہے ہیں۔ واضح رہے کہ اس وقت ۲۳-۲۵ سال کے عمر میں احساسات میں نہ وہ چٹکی تھی نہ تاثرات میں مہرائی جبکہ تحریر کا بھی کوئی تجربہ نہیں تھا نہ اس کی اشاعت کا تصور تھا، ڈائری کے ایک ہی صفحہ پر یادداشت کو محدود کرنا پڑتا، پینتالیس سال کے بعد اب وہ نقشے بدل گئے اصغر کا پر اور اکابر اپنے وقت کے آئمہ رشد و ہدایت بن گئے ہیں، وسائل انتہائی محدود اور سہولتیں عنقا تھیں مگر میں انہی نقوش اور مناظر کو تقریباً نصف صدی بعد اپنے قارئین کو دکھانا چاہتا ہوں اس لئے ڈائری میں جو کچھ لکھا گیا ہے وہ حک و اضافہ اور ترمیم کے بغیر اصل شکل میں پیش ہے۔ کسی ضروری تشریح اور توضیح کو حاشیہ میں رکھا گیا ہے۔ [(مولانا) سمیع الحق]

۲۵/ ذیقعدہ بروز پیر :

مدینہ میں مصری زائرین و زائرات کا نجوم ہے، مسجد شریف نماز سے ایک گھنٹہ قبل بھی پوری بھر جاتی ہے ایک مصری قاری اور ایک مصری داعی: آج نماز فجر کے بعد ایک جید قاری المقری کی تلاوت سے بڑا لطف آیا۔ میں نے بعد از فراغت مصافحہ کیا اور نام پوچھا تو انہوں نے قاری عبدالحق القاضی المصری بتایا، بعد از نماز عصر ایک بھاری بھر کم جسم کے مشرع شکل و صورت کے ایک مصری عالم کی تقریر سنی، انداز بیان داعیانہ اور مجاہدانہ تھا، ایک مصری عالم کی زبان سے یورپی تہذیب عریانی اور بے پردگی اور مغربی تمدن پر شدید تنقید سن کر خوشی ہوئی بعد از مصافحہ انہوں نے اپنا نام صالح بن محمد بتایا۔ کثر اللہ امثالہم۔

صوفی منظور حسین: مولانا سمیع الحق © rasailojaraid.com میں ہیں ان کی زیارت کرنے

گیا بیچہ تعارف سابقہ بڑے تپاک سے ملے شہد کا شربت پلایا اور تصوف و سلوک پر عارفانہ کلام کیا اور بہت دعائیں دیں۔ بیت غلام محمد (پاکستان ہاؤس) حضرت مولانا بنوری سے ملاقات رہی۔

۲۶/ ذیقعدہ ۸۳ھ - ۸/ مارچ بروز منگل:

الوداعی ملاقاتیں: مولانا حامد فرغانی کے ہاں الوداعی ناشتہ پر مدعو تھے دیر تک وہاں ان سے علمی گفتگو رہی اور دینی احوال پر بات چیت رہی بظاہر یہ ان سے ہماری الوداعی ملاقات تھی۔ مدرسۃ الشرعیۃ میں مولانا انعام کریم صاحب نے میرے بعد از حج مجوزہ سفر شام و اردن کے سلسلہ میں جدہ کے ہندی سفارتخانہ کے مولانا خالد سیف اللہ صاحب اور دمشق کے سفارتخانہ میں جناب محمود الحسن صاحب کے نام تعارفی خطوط دیئے اول الذکر والد صاحب کے زمانہ تدریس دیوبند کے حدیث میں شاگرد ہیں اور مدینہ میں ان سے ملاقاتیں رہیں۔

مولانا سید احمد مدنی کا قصیدہ مخطوطہ: مولانا نے مدرسۃ الشرعیۃ کے کتب خانہ میں حضرت شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنی کے بھائی مولانا سید احمد مہاجر مدنی بانی مدرسہ کے ہاتھ کا لکھا ہوا ایک قصیدہ بھی دکھایا مدرسۃ الشرعیۃ بوجہ موسم حج بند تھا اور سوڈان و نايجيريا کے حجاج سے بھرا پڑا ہے۔ وہاں سے سوق قماش گئے اور بعض ضروری اشیاء خریدے۔

شیخ بن باز کے گھر: بعد از عصر عبداللہ کا کاخیل اور برادر حسن جان کی معیت میں شیخ عبدالعزیز بن عبداللہ بن باز نائب رئیس جامعہ اسلامیہ کے مکان گئے جو بہت بڑی کوشی تھی اور مہمان خانہ نہایت قیمتی مرصع کرسیوں اور قالینوں سے سجا تھا۔ شیخ سے مصافحہ ہوا اور مختصر باتیں ہوئیں عبداللہ نے ہمارے سفر شام وغیرہ کیلئے تعارفی اور تصدیقی اوراق کی خواہش ظاہر کی انہوں نے بخوشی مدینہ سے مکہ معظمہ جانے اور تبوک کے راستہ واپسی کے لئے کاتب سے روقات لکھوائے اور بیوہ سے خاتم (مہر) نکال کر کاتب سے مہر لگوائے۔ شیخ کا خاتم رومال سے بندھے ہوئے ایک بیوہ میں پڑا رہتا ہے۔ ان کی سادگی اور بے تکلفی سے قرون اولیٰ کے علماء کی یاد تازہ ہو جاتی ہے وہاں سے مسجد نبوی آئے شارع عینہ تک میدان بھی بھرا ہوا تھا، بمشکل مسجد کے اندر جگہ مل سکی۔

۲۷/ ذیقعدہ ۸۳ھ - ۹/ مارچ بروز بدھ:

ایک ترکی طالب علم دوست: بعد از عصر ترک دوست طالب علم علی سرتر کی خواہش پر ان کے ہاں گئے ان سے مسجد نبوی پہنچنے پر پہلے دن متکف میں ملاقات ہو گئی تھی ترکی کے داعی سعید نوری سے متاثر اور ان کی تحریک سے وابستہ ہیں بے حد خلوص اور محبت کا اظہار کرتے رہے ان کے دینی جذبات سے لبریز باتوں کا بڑا اثر ہوتا ہے انہوں نے بطور یادگار ایک تسبیح اور ایک طغری اور ترکی کی دو مناظر (سینریاں) والے کارڈ دیئے۔ دمشق کے بعض احباب کے نام تعارفی خطوط دینے کی بھی خواہش ظاہر کی اور آئندہ خط و کتابت اور مراسلت کی تاکید کی۔ علی سرتر نے جامعہ کے موجودہ

تعلیم پر بے اطمینانی کا اظہار کیا اور آئندہ نہ آنے کا ارادہ ظاہر کیا۔

شیخ عباسی کے والد ماجد اور مفتی محمود کیلئے تحفہ: مکان پر شیخ عباسی مدظلہ کے ہاں مجلس ربی شیخ نے والد ماجد کے لئے شوگرشٹ کرنے کے لئے شٹ نیوب دیا جو انہیں افریقہ سے تحفہ آیا تھا ان کو بھی والد ماجد مدظلہ کی طرح ذیابیطس کی تکلیف ہے، نیز مجھے حزب الاعظم کا ایک نسخہ عطا فرمایا، ایک نسخہ میں نے مولانا مفتی محمود صاحب کیلئے ان کے تقاضا پر مزید لیا اور پاکستان ہاؤس جا کر انہیں دیا۔

۲۹/زیقعدہ ۸۳ھ۔ ۱۱/مارچ بروز جمعہ:

جدائی کی گھڑیاں سر پر: آج مدینہ طیبہ سے روانگی کا ارادہ ہے۔ اللہ اکبر اللہ اکبر۔ جدائی کی گھڑی سر پر آگئی۔

حیف در چشم زدن صحبت یار آخر شد
روئے گل سیر ندیم دیہار آخر شد
الفراق۔ الفراق۔ الوداع الوداع یا رسول اللہ

کل رات سے مجھے زکام اور انفلونزا کی شکایت ہے۔ اے اللہ میری گستاخیوں اور تالاکھویوں کی تلافی اس سے کرا دے بہت جلدی جمعہ کیلئے مسجد جانا ہوا۔ باب الرحمتہ سے داخل ہوئے تو شدت اژدہام کی وجہ سے بڑی مشکل سے جگہ ملی۔ شیخ عبدالعزیز صالح نے حج کی اہمیت پر خطبہ دیا، نماز فجر کے بعد بھی انہوں نے اس موضوع پر یومیہ درس دینے کا اعلان کیا تھا۔ بعد از نماز جمعہ شیخ عباسی کے ہاں الوداعی کھانے پر مدعو تھے کھانے میں شریک ہوئے۔

شیخ عباسی کی قیام مکہ کے بارہ میں خصوصی نصائح: حضرت نے خصوصی نصائح و ہدایات سے نوازا، فرمایا ”مکہ مکرمہ میں قیام کے دوران زیادہ وقت حرم شریف میں گزارا کرو اور اس تصور سے خانہ کعبہ کو ہر وقت دیکھتے رہو کہ تجلیات ربانی اس پر نازل ہو کر میرے قلب میں جاگزین ہو رہی ہیں اور اکثر وقت قضا شدہ نمازوں، نوافل تلاوت اور ذکر اللہ میں گزرنا چاہیے۔ تمہارا قیام مدرسہ مولتیہ میں ہے جو تبلیغی مرکز ہے مگر زیادہ وقت اگلے ساتھ نہ گزرنے پائے، اٹکا کام بہت اعلیٰ وارفع ہے مگر مقصد اصلی تمہارا حرم کعبہ کے فیوض و برکات حاصل کرنا ہے۔ اسی طرح سیاسی قسم کے لوگوں کیساتھ وہاں وقت نہ ضائع کریں نہ کسی کیساتھ علمی مباحث اور مناظروں میں پڑیں، کسی پر تنقید نہ کریں اس قسم کے مباحث علیہ سے بچیں جس میں لاحالہ غیبت آجائے اور کدورت قلبی پیدا ہو“ قبل از دو پہر شیخ نے =لطیفہ ستر= کی تعلیم دی اور بالکل الگ اور تنہائی میں کافی دیر تک مراقبہ کرا کر توجہ دی اور اس پر مداوت کرنے کی شدت سے تاکید کی اللہ کرے کہ۔

تمہی دستان قسمت را چہ سودا ز رہر کامل کہ خضر از آب حیوان نشنی آرد سکندرا
کا مصداق نہ بنوں ورنہ تمہی دتی تو ڈھکی چھپی نہیں۔

مولانا بدر عالمؒ سے الوداعی ملاقات: بعد از عصر حضرت الشیخ مولانا بدر عالم (۱) سے رخصت لینے ان کے

(۱) یہاں عالم اسلام کے تین جلیل القدر شخصیات سے ملاقات اور الوداعی زیارت کا ذکر ہے (۱) محدث جلیل مولانا بدر عالم میرٹھی (۲) مولانا شیر محمد سندھی مہاجر مدنی (۳) عالم اسلام کے داعی کبیر شیخ مصطفیٰ السباعی (دشق) کا اور یہ ایک عجیب اتفاق ہے کہ ان ملاقاتوں کے بعد سال ڈیڑھ سال کے اندر علم و ہدایت کی یہ شمعیں یکے بعد دیگرے بجھ گئیں۔ میرے اس سفر حرمین کی برکات میں سے ایک نقد برکت کا ظہور اس طرح ہوا کہ حج سے واپسی پر ایک سال کے اندر ۶۵ء میں اللہ تعالیٰ نے شدت سے دل میں یہ داعیہ پیدا کیا کہ ایک وقیع علمی دینی جملہ کا دارالعلوم تھانویہ سے اجراء ہونا چاہیے اور اسکو اعلاء حق اور باطل کے قلع قمع کا علمی نظری اور فکری محاذ بنایا جائے، ایک دور افتادہ گاؤں پٹھانوں کا علاقہ اور گرد و پیش میں اردو زبان و ادب اور ادباء اور اہل قلم کا ماحول نہیں تھا نہ مجھے تحریر و انشاء کا کوئی سلیقہ نہ کسی دور و قد پرچے کی ادارت کا تجربہ، حضرت والد ماجد قدس سرہ سے اس معصومانہ خواہش کا اظہار کیا تو انہوں نے بھی مذکورہ مشکلات اور ناسازگار حالات کا ذکر کیا اور فرمایا یہ بڑا مشکل ہوگا اس کیلئے تو دہلی لکھنؤ دیوبند اعظم گڑھ علیگڑھ لاہور کراچی کا ماحول ہونا چاہیے۔ میں نے ڈرڈر کر عرض کیا کہ اس دور افتادہ گاؤں (جسے وہ مکہ کے وادی غیر ذی ذرغ سے تشبیہ دیتے تھے) میں دارالعلوم تھانویہ قدرت کا ایک معجزہ ہے۔ تو کسی علمی رسالہ کی کامیابی بھی آپ کی کرامات میں اضافہ بن سکتی ہے، بہر حال جملہ ”الحق“ کا پہلا پرچہ ستمبر ۶۵ء میں شائع ہوا جو شہر پاک بھارت جنگ کا وقت تھا اس پہلے پرچے کا ادارہ میں نے رات کو بلیک آؤٹ کے دوران گھر کے بند کمرے میں موم بتی کی روشنی میں لکھا، پرچہ شائع ہوا اور پہلے ہی پرچہ کو برصغیر پاک و ہند کے اجلہ علم و فضل اور مشاہیر علم و ادب نے زبردست خراج تحسین پیش کیا، اور آج تک پینتالیس سال سے یہ شیخ حق بلا تاغہ باطل کے طوفانوں سے نبرد آزما ہے یہ ایک تمہیدی اور مضنی بات تھی مگر طویل عمر کی عرض یہ کرنا تھا کہ اب میرے ہاتھ میں الحق کی شکل میں دنیائے علم و فضل اور گرد و پیش کے تحیرات تبدلات پر اپنے احساسات اور آراء کے اظہار کا ایک مضبوط مہر و محراب تھا، مذکورہ تینوں جلیل القدر شخصیات کے جدائی پر میں نے ”الحق“ کے شماروں میں مختصر تاثرات کا اظہار کیا، پینتالیس سال قبل کی یہ چیزیں اب قارئین کیلئے بالکل نئی ہوگئی اسلئے اس سفر حرمین کی مناسبت سے یہ تاثرات بھی شریک کئے جا رہے ہیں کہ اس سفر سے ان کا ایک تعلق ہے۔

موٹ العالم موٹ العالم: مدینہ طیبہ کے ایک مکتوب سے معلوم ہوا کہ حضرت علامہ الامجد الشیخ محمد بدر عالم میرٹھی مہاجر مدنی کا طویل علالت کے بعد مورخہ ۲۸ اکتوبر ۱۹۶۵ء بمطابق کیم رجب بروز جمعرات انتقال ہوا۔ دوسرے دن نماز جمعہ کے بعد مسجد نبویؐ میں نماز جنازہ ادا کی گئی اور جنت البقیع میں بالکل اہل بیت کی قبور کے قریب ان کو دفنایا گیا۔ مولانا مرحوم نے اپنی زندگی علوم نبویہؐ کا مخصوص علم حدیث کی خدمت و اشاعت میں صرف کی وہ حضرت علامہ انور شاہ کشمیریؒ کے اجلہ تلامذہ میں سے تھے۔ فیض الباری شرح بخاری (چار جلدوں میں) کے ذریعہ انہوں نے حضرت شاہ صاحب کے امامی درس کو مرتب و محفوظ کر کے علمی دنیا پر عظیم احسان کیا، ان کا دوسرا عظیم کارنامہ ترجمان السنۃ کی تالیف ہے۔ جس میں آپ نے نئے تقاضوں کی روشنی میں احادیث کے تراجم کی اسز نو ترتیب و تبویب اور اردو زبان میں نہایت محققانہ تشریح کا التزام فرمایا۔ جس کی کئی جلدیں شائع ہو چکی ہیں۔ مگر افسوس کہ علالت کی وجہ سے اس کتاب کی تکمیل نہ ہو سکی۔ تقسیم ہند کے بعد آپ نے مدینہ طیبہ ہجرت کی اور بلاخرست کے اس ترجمان کو صاحب سنت علیہ السلام کے قدموں میں جگہ ملی زندگی کے آخری کئی سال بستر علالت پر گزارنے فالج اور ضعف کی وجہ سے خود کدھ بھی نہ بدل سکتے، مگر پھر بھی آخر دم تک ارشاد و اصلاح و عطا و تبلیغ بلکہ درس قرآن و حدیث تک کا سلسلہ جاری رہا۔ بہت بڑے عالم فاضل مناظر محدث اور مصنف ہونے کے علاوہ آپ سلسلہ نقشبندیہ مجددیہ کے شیخ بھی تھے اور زندگی کے آخری دور میں پاک و ہند اور عرب ممالک کے علاوہ افریقی ممالک کے حجاج و زائرین نے خاص طور پر آپ سے روحانی فیض پایا۔ حضرت کے وصال کے بعد مدینہ طیبہ میں اب صرف جامع شریعت و طریقت مولانا عبد الغفور عباسی مہاجر مدنی کی مجلس علم و عرفان ہی رہ گئی ہے۔ حضرت مولانا بدر عالم میرٹھی کے وصال سے علم و معرفت کی دنیا میں بہت بڑی خلاء محسوس کی جائیگی۔ رضی اللہ عنہ

ہاں گیا ان سے مدینہ سے روانگی کا عرض کیا تو خلاف معمول کافی دیر تک محبت اور بڑی شفقت کا اظہار کرتے رہے دیر تک سینہ سے چمٹائے رکھا اور سر پر ہاتھ پھیر کر علم و عمل کی دعائیں دیں۔ دین اور علوم دین کی حفاظت کی تاکید کرتے رہے فرمایا کہ افسوس تم نے بالکل عین موقع پر جانے کا الٹی میٹم دے دیا اگر کل پرسوں آپ کہہ دیتے تو بہتر ہوتا۔ پھر کافی دیر تک حسب معمول میرے ساتھ عربی میں گفتگو کرتے رہے پھر حاضرین مجلس سے کہا کہ یہ طالب علم نہیں عالم ہے ان کے والد بھی بڑا عالم ہیں۔ میں انہیں کافی عرصہ تک جامعہ اسلامیہ کا طالب علم سمجھتا رہا اور جب مجھے معلوم ہوا کہ جامعہ میں نہیں تو میں نے خصوصی توجہ کا ارادہ کیا مگر پھر ان سے ملاقات نہ ہو سکی اور عربی میں اس کے ساتھ اس وجہ سے گفتگو کرتا رہا کہ مجھے مدینہ منورہ میں بیٹھ کر دیگر زبانوں میں بات کرنے میں شرم آتی ہے مگر کیا کروں عربی نہ سمجھنے والوں کا مجمع لگا رہتا ہے پھر مدینہ منورہ کی جدائی پر دردناک انداز میں روشنی ڈالی اور شعر پڑھے جو افسوس کہ محفوظ نہ رہ سکے۔ اس کے بعد قرآن مجید کے فوائد بیان کرتے رہے۔

شیخ مصطفیٰ سباعی سے ملاقات: اور قبل از مغرب میں ان سے رخصت۔ لے کر شیخ مصطفیٰ السباعی (۱) سے ملے ان کے ہاں آیا شیخ اکیلے ایک کمرہ میں بستر علات پر دراز تھے اور چلنے پھرنے سے لاچار تھے بڑی خندہ روئی

(۱) شیخ مصطفیٰ السباعی کے بارہ میں میں نے سفر حج کی چند یادیں کے عنوان سے اپنے تاثرات ظاہر کئے ہیں اس کا محرک حضرت مولانا بنوری قدس سرہ کی وفات کے بعد ماہنامہ ”بینات“ کا ان کے بارے میں خصوصی شمارہ بنا، ان تاثرات کا تعلق زیادہ تر مدینہ منورہ اور مکہ معظمہ کی ان ہی ملاقاتوں سے ہے اس لئے یہاں شیخ سباعی سے متعلق حصہ دیا جا رہا ہے اور آخر میں ان ہی کے عربی میں لکھے ہوئے اپنے سفر حج کے تاثرات کا کچھ حصہ بھی میری تمہیدی عبارت کے ساتھ شامل کیا گیا جس سے شیخ کے حرمین سے والہانہ تعلق و جذبات پر روشنی پڑتی ہے، حضارۃ الاسلام دمشق سے اس مضمون کا میں نے ترجمہ کر کے دو قسطوں میں الحق اپریل، مئی ۶۶ء میں شائع کیا ہمارے موجودہ قارئین کے لئے یہ سب کچھ قدر کر نہیں بلکہ پہلی ہی سوغات ہے۔

”عالم عرب کے ایک عظیم داعی اور محقق عالم علامہ شیخ مصطفیٰ السباعی مرحوم بھی اس سال حرمین الشریفین تشریف لائے تھے شیخ مصطفیٰ السباعی شام کے باشندہ تھے ان کا قیام علی جلد ”حضارۃ الاسلام“ دنیائے اسلام میں معروف ہے۔ کئی جلیل القدر کتابوں کے مصنف ہیں، منکرین حدیث اور بعض متجددین نے سبب رسول ﷺ کی جیت کے خلاف جو ہنگامہ کھڑا کیا اس کے اصل محرک یورپ کے بعض یہودی مستشرقین تھے ہمارے ہاں بھی غلام احمد پر دیر ڈاکٹر فضل الرحمن جیسے لوگ ان معاندین اسلام پر دفسروں اور اسکالروں کا حق تلمذ ادا کرنے میں پیش پیش رہے۔ ادھر عالم عرب میں بھی مصر اور بیروت جیسے خطوں میں انہیں ”وفا شعار“ مستشرقین ملے ایسے ہی کچھ لوگوں نے جیت و تدوین حدیث اور حدیث کے بعض اولین رواۃ اور مدونین کو نشانہ تحقیق بنایا۔ تو شیخ مصطفیٰ السباعی نے ان لوگوں کے رد میں قلم اٹھایا۔ اور ”السنة ومكانتها في التشريع الاسلامي“ جیسی جامع اور محققانہ کتاب لکھی یہ کتاب جامعیت، سلاست، بیان اور منکرین حدیث کا تعاقب اور پوسٹ مارٹم کرنے میں ایک مثالی کتاب ہے اور ہمارے ہاں کے اہل علم کیلئے مطالعہ کی چیز ہے ہمارے شیخ بنوری بھی جب پاکستان میں اس فتنہ کی ہلاکت آفرینوں سے بے چین ہو گئے تو انہوں نے ایک وقت پورے شد و مد سے منکرین حدیث اور متجددین کے خلاف علم جہاد بلند کئے رکھا۔ اس ضمن میں آپ کی نظر شیخ مصطفیٰ السباعی کی مذکورہ کتاب پر پڑی اور مولانا محمد ادریس میرٹھی کے اردو ترجمہ و تشریح کیساتھ اس کتاب کو اپنے ادارہ سے ”سنت کا تشریحی مقام“ کے نام سے شائع کیا جس پر اس بالاتفاق کے بعد (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

اور محبت سے ملے تعارف کے بعد وری تک باتیں رہیں ان سے معلوم ہوا کہ وہ سات برس سے بستر علالت پر دراز ہیں اور اس حالت میں بھی تالیف و تصنیف اور محاضرات کا سلسلہ جاری ہے، فرمایا کہ میں اس حال پر بہت صابر و شاکر ہوں کہ صحت کی حالت میں ادھر ادھر کے مشاغل میں وقت ضائع ہوتا ہے، میں نے بھی تطہیب خاطر کے لئے حضرت عمران بن حصین اور علامہ ابن اثیر کے بعض ایسے اجتلائی اور ان کے مثالی صبر و شکر کا ذکر کیا واقعات سنائے سن کر بے حد خوش ہو کے فرمایا، مجھے آرام کی چھٹی ملی تو میں نے اسے جو ارسل اللہ ﷺ میں گزارنے کو پسند کیا، میرے ارادہ سفر شام پر مجھے وہاں ملنے کی بہت تاکید کی، ٹیلیفون نمبرات اور اپنا کارڈ دیا اور کہا کہ وہاں پہنچتے ہی مجھے اطلاع دے دیں میں کسی

(گزشتہ سے پیوستہ) کی بات ہے جس کا میں ذکر کر رہا ہوں۔ شیخ مصطفیٰ السباعی مرحوم پر آخری سالوں میں فالج کا حملہ ہوا اور وہ چلنے پھرنے سے معذور ہو گئے۔ اسی دوران وہ حرمین الشریفین تشریف لائے۔ ایام حج سے قبل وہ مدینہ منورہ میں مسجد نبوی کے قریب ایک بوسیدہ اور خستہ سے مکان میں صاحب فراش تھے، میں تلاش کرنے پہنچا، بستر علالت پر دراز، چہرہ بالکل زرد، ضعیف و ناتواں، مگر صبر و شکر کا عجیب حال، فرمایا کہ میں اس طویل بیماری کو اللہ تعالیٰ کی نعمت اس لئے بھی سمجھ رہا ہوں کہ صحت کی حالت میں ادھر ادھر کے مشاغل میں وقت ضائع ہوتا ہے، جب مجھے تبدیلی آج ہو اور سیر و سیاحت کے لئے کہا گیا اور کچھ وقت ملا تو میں نے اسے جو ارسل اللہ ﷺ میں گزارنے کو پسند کیا۔ وہ مسجد نبوی میں حاضری سے بھی معذور تھے، مگر قرب حبیب بھی ان کیلئے عجیب تسکین و سرور کا باعث تھا کہ اپنی صحت میں تیزی سے تبدیلی محسوس کرنے لگے تھے، گونا گوں آلام و اسقام نے انہیں غڈ حال کر دیا تھا، مگر عشق رسول، قرب رسول اور جذبات جہاد و دفاع حق نے آلام و اسقام کو نعمتوں سے بدل دیا تھا، قیام مدینہ کے دوران انہوں نے ایک دن روضہ من ریاض الجنۃ میں منبر رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پاس ایک طویل قہیدہ ”مناجاة بین یدی الحبیب الاعظم“ کے عنوان سے قلمبند کیا، اور خود اسے مولانا رسول اعظم ﷺ میں پیش فرمایا۔ جن میں مذکورہ کیفیات کا اظہار موجود ہے اس قہیدہ کے چند اشعار یہ ہیں:

یا سیدی یا حبیب اللہ جنت الیٰ	اعتاب بابک اشکوا البرح من سقمی
یا سیدی قد تمادی السقم فی جسدی	من شلة السقم لم اغفل ولم انم
الاہل حولی غرقی فی رقادم	انا الوحید جفاه النوم من الم
قد عشنت دہراً مبدیاً کلمہ عمل	والیوم لاشیئ غیر القول والقلم
یا سیدی طال شوقی الجہاد فہل	تدعوا الی اللہ عوداً عالی العلم
تالہ مالہفتی البرء عن رغب	فی ذی الحیاة ولا جاہ ولا نعم
وانما طمع فی ان تقول غداً	لقد ہدیتہم الی الاسلام کل عم
ہیہات ان تنطوی للددین رایتہ	او یہزم الکفر دینا غیر منہزم
فاکرم الناس من کانت منیتہ	فی حومة الحق جلدأ غیر منہزم
واہون الناس من جاء ت منیتہ	خلوا من الهم او خلوا من الهمم
اشکوا الی اللہ شکوی غیر ذی جزع	فی شدة الضر وجہی وجہ مبسم
ما فی قضائک ظلم للعباد ولا	فیہ الاساءة بل محض من الحکم

اس قہیدہ کے بارے میں خود شیخ مصطفیٰ السباعی فرماتے ہیں۔ (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

کو بھیج کر آپ کو بلوالوں گا۔ ان کی تصانیف کا ذکر آیا تو فرمایا کہ میری ایک کتاب بھی نہ خریدیں میں اپنے تمام تصانیف آپ کو دے دوں گا ان کے اخلاق اور خوش مزاج سے بے حد متاثر ہوا انہوں نے حکم دیا کہ خود الماری سے شامی حلاوة

(گزشتہ سے پیوست) وہی قصیدہ طویلۃً اتجھت فیہا بالدعاء الی اللہ والتجاء الی حرم رحمۃ الواسعۃ وذکرت فیہا رسول اللہ ﷺ ومعجزاته فی شفاء المرضى فی حیاته علیہ السلام وکنت فی کل لیلۃ یورق فیہا شدة الالم ازید فی تلك القصيدة حتى تم منها حینئذ ما یقرب من مائة بیت . (حضارۃ الاسلام ج ۵ ص ۲۷۳) مدینہ منورہ میں شیخ سبائی کے ساتھ یہ میری مختصر ملاقات تھی یہ ۲۹/ربیع الثانی ۱۳۸۳ھ جمعہ المبارک کی شام کا واقعہ ہے حضرت شیخ سبائی صاحب نے مجھے ایک طالب علم سمجھ کر اپنی عالمانہ شفقت و محبت سے نوازا وہ خود بستر سے جوز میں پر بچھا ہوا تھا اٹھ نہیں سکتے تھے مگر مجھے حکماً کہا کہ سامنے الماری سے شامی حلاوة کا ڈبہ اٹھا کر لاؤں اور ان کے سامنے اس میں سے کچھ کھالوں تاکہ کچھ توفیافت ہو جائے اس کے بعد ان کی فیاضیت و شفقت ان کے نہایت وقیع جملہ ”حضارۃ الاسلام“ کی شکل میں جاری رہی جو ابھی کچھ عرصہ قبل تک ہر ماہ میرے لئے حلاوة معنوی و فکری کا موجب بنتی رہی۔ ایام حج قریب ہوئے تو شیخ سبائی مکہ مکرمہ تشریف لے گئے مناسک حج سے فراغت کے بعد طالب علمانہ تشنگی کی بناء پر پھر مجھے عالم عرب سے آئے ہوئے اعیان علم و فضل کی زیارت کی خواہش ہوئی۔ شیخ مصطفیٰ السبائی اس وقت حرم مکہ کے قریب ”فندق شبرا“ میں مقیم تھے اور یہ ہوٹل عرب علماء اور شیوخ کی آرام گاہ بنا ہوا تھا ۲۲/اپریل ۱۹۶۳ء بمطابق ۱۲/رجب المرجب ۱۳۸۳ھ میں ان کے پاس گیا یہاں شیخ کے علاوہ شیخ عبدالفتاح البوعده، استاذ سعید رمضان، السید محمد علی الکتانی، احصاء کے قاضی القضاۃ قاضی منصور وغیرہ سے بھی ملاقاتیں رہیں۔ جناب مصطفیٰ السبائی کے ساتھ بات چیت میں مودودی صاحب کا ذکر آیا اور ہندوستان کے مولانا ابوالحسن علی ندوی کا بھی ان کا میری بعض باتوں سے اتفاق تھا اور فرمایا کہ اول الذکر پر عقلیت کا غلبہ ہے جبکہ ثانی الذکر پر روحانیت کا، فرمایا المودودی رجل عقلی والشیخ الندوی رجل روحانی، پھر پاکستان سے آئے ہوئے علمائے کرام کا بھی ذکر ہوتا رہا۔ جناب سبائی نے فرمایا مجھے مولانا محمد یوسف صاحب سے ملنے کا اشتیاق ہے اس سال چونکہ اس نام کے بعض اور اکابر بھی وارد حرمین ہوئے تھے ایک مولانا محمد یوسف شاہ میر واعظ کشمیر دوسرے جماعت تبلیغی کے شیخ البلیغ مولانا محمد یوسف دہلوی، تیسرے حضرت علامہ محمد یوسف بنوری نور اللہ تعالیٰ مرقدہ اس لئے جناب شیخ سبائی مرحوم و مغفور نے ایک ایک کا نام گوا کر اور تجزیہ کرتے ہوئے الگ الگ ایک ایک کا تعارف سنا اور فرمایا کہ مجھے شیخ محمد یوسف بنوری سے ملنے کی آرزو ہے اور میں مرنے سے قبل ان سے حدیث کی اجازت لینا چاہتا ہوں، کاش کوئی صورت اس کی بن سکے۔ میں نے جناب سبائی سے کہا کہ یہ میری ذمہ داری ہے میں حضرت بنوری کو یہاں لے کر آؤں گا، فرمایا ہرگز نہیں یہ تو بے ادبی ہے اور شان طالب علمی کے خلاف ہے، کسی طرح مکان اور وقت کا تعین ہو جائے تو مجھے خود ان کے پاس لے چلیں، میں نے کہا لیس علی المرضی حرج۔ اس کے بعد میں نے ایک دن حضرت بنوری سے سبائی صاحب کی ملاقات اور ان کے اس اشتیاق کا ذکر کیا، حضرت بنوری نے فرمایا وہ ایک طلیل القدر عالم اور اسلام کے خادم ہیں، میں انہیں کیا اجازت حدیث دوں گا، البتہ ملاقات اور زیارت کے لئے ضرور چلیں گے، اس کے بعد ایک دن حضرت بنوری میرے ساتھ فندق شبرا تشریف لے گئے، شیخ سبائی کو معلوم ہوا تو عجیب کیفیت ان پر طاری ہوئی، دیر تک محفل رہی دونوں اپنی جگہ تواضع اور مسکنت میں ڈوبے ہوئے تھے اس مجلس میں جناب سبائی کی دیرینہ مراد برآئی اور انہوں نے باصرار حضرت بنوری سے صحاح ستہ اور احادیث کی دیگر کتابوں میں سند حاصل کی۔ (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

(مٹھائی) نکال کر لے لوں یہ انکا اکرام ضیف کا جذبہ تھا خود اٹھنے سے معذور تھے مگر ضیافت کو نہ چھوڑا شام قریب تھا

(گزشتہ سے پیوستہ) داعی کبیر بطل اسلام شیخ مصطفیٰ البغا علیہ الرحمۃ جن کا پچھلے سال دمشق میں انتقال ہوا۔ ملت اسلامیہ کے ان مخلص قائدین میں سے تھے جن کی زندگی کے تمام لمحات دینی دعوت اعلاء دین کی جان سوزی اور بکثرت اللہ کی سر بلندی کی جدوجہد میں صرف ہوئے دعوت و تبلیغ تصنیف و تالیف جہاد و سرفروشی کا کوئی محاذ ایسا نہ تھا جس کی صف اول پر ملت کے اس غنوار نے باطل کا مقابلہ نہ کیا ہو۔ اس علم و شہرت کے باوجود ان کا دل اسلاف کی محبت سے معمور اور علمی گھمنڈ و غرور سے پاک تھا۔ اور طویل جاکسل علالت کے دوران صبر و رضا کے وہ نقوش ثبت کئے جسکی نظیر مشکل سے ملے گی خوش قسمتی سے اسی سفر حجاز کے دوران جس کے تاثرات آپ نیچے پڑھیں گے اس ناچیز کو بھی مدینہ طیبہ اور مکہ مکرمہ میں ان سے کئی بار ملنے کی سعادت حاصل ہوئی بستر مرگ پر دراز ہونے کے باوجود ان کی ہر بات اسلام کے سوز سے لبریز تھی اور ملت مسلمہ کے نشاۃ ثانیہ کیلئے ان کا دل تڑپ رہا تھا۔ (صبح الحق)

میری خواہش نہیں تھی کہ اپنے پچھلے سال کے سفر بیت اللہ الحرام اور اداء شعار حج کے بارہ میں کچھ لکھتا۔ مگر اس سفر مبارک کے بعض مفید اور عبرت انگیز نصیحت آموز مشاہدات نے مجھے ”حضارۃ الاسلام“ میں اپنے تاثرات کے اظہار پر آمادہ کیا۔ بارگاہِ خداوندی سے امید ہے کہ اس تحریر کے اغراض و محرکات کے بدلے مجھے اجر و ثواب ملے اور قارئین کے دلوں میں جاگزیں ہو کر بہترین نتائج پیدا ہوں۔ اس سے قبل بھی دوسرے اللہ تعالیٰ نے مجھے اداء شعار حج کی توفیق دی۔ پہلی مرتبہ ۱۳۶۳ھ اور دوسری مرتبہ ۱۳۶۴ھ میں جبکہ میں نے کلیۃ الشریعہ دمشق کے اساتذہ و طلبہ کی جماعت سمیت بلا و مقدسہ کی زیارت کی۔ اس کے بعد میں دو سال تک اس شدید مرض فالج کا شکار رہا جسکے تکلیف دہ اثرات کو اب تک برداشت کرتا رہا ہوں۔ در آنحالیکہ میں خداوند قدوس کے پورے انعامات و اکرامات اور انکی مرضیات و تقاضا و قدر کے فیصلوں پر صابر و شاکر ہوں۔ میرا قلم اللہ عز و جل کی قدرت کاملہ، جلالت قدسہ کے اظہار اور احسانات عظیمہ کے حق شکر و حمد ادا کرنے سے قاصر ہے۔ پچھلے رمضان المبارک میں اچانک میری مرض میں اضافہ ہوا درد و کرب اور تکلیف کے ایسے عوارض پیش آئے کہ اس طویل مرض میں مجھے پہلے انکا سامنا نہیں کرنا پڑا تھا۔ بالخصوص رمضان کی آخری مبارک راتوں میں مرض کی شدت انتہا کو پہنچ گئی۔ درد و آلام کے مارے میری آنکھ نہ لگتی اور رات بھر کدیں بدلتا رہتا۔ ان طویل راتوں کی جہنمی میں تفکرات و آلام کے جہوم کے دوران بارگاہِ خداوندی میں فریادیں

کیلئے ایک قصیدہ موزوں ہوا جس کا عنوان ہے۔ یا سائق الظعن نحو البيت و الحوم و نحو طیبۃ تبغی سید الامم اور کئی راتیں جب درد و آزار کے صدمے کا قائل تحمل ہو جاتے تو مجھ پر رقت طاری ہو جاتی، دل و دماغ میں جذبہ شوق کے طوفان اٹھنے لگتے اور بارگاہِ خداوندی میں نالہ و شیون کا ظہور اس قصیدہ کے اشعار کی شکل میں ہوتا رہا اور اندرونی جذبات ایات کے قالب میں ڈھلتے رہے۔ اسی سوز و ساز میں تقریباً ایک سو اشعار موزوں ہوئے۔ اس طویل قصیدہ میں میں نے بارگاہِ قدس میں دامن سوال پھیلایا ہے۔ اور اس سے اس کی حرم کی رحمت تک رسائی کی التجائیں کی ہیں۔ حضور ﷺ اور ان کے مقدس و پاکیزہ روضہ، مطہرہ و دیار پاک کا ذکر کیا ہے جہاں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دعوت خالہ اور ابدی پیغام کو بچھلنے پھولنے کا موقع ملا۔ نیز اس قصیدہ میں خضعاء اور مرئیضوں کی شفاء میں حضور ﷺ کے اعجاز سبحانی اور معجزات باہرہ کا تذکرہ بھی آیا ہے۔ اس کے بعد اشہرج شروع ہوئے اور میری بیماری دن بدن شدت اختیار کر رہی تھی۔ دعوت حق ندائے ابراہیم ظلل علیہ السلام پر لبیک کہنے والے خوش نصیبوں کی روگائی حجاز مقدس شروع ہو چکی تھی۔ اچانک میرے دل میں بھی یہ تڑپ اور دلولہ بیدار ہوا کہ سفر حج کی مشقتوں میں میں بھی اس کا روانہ عشاق میں شامل ہو جاؤں شاید عرفات کی مبارک شام کی رحمتیں اور برکتیں مجھے بھی اپنے اندر سمیٹ لیں اور اللہ تعالیٰ کی وہ خوشنودی مجھے بھی نصیب ہو جس کی بشارتیں احادیث صحیحہ میں دی گئی ہیں۔ اس جذبہ کے جاگ اٹھنے پر میں نے پاسپورٹ کیلئے کوشش شروع کی۔ ادھر میرے خویش و اقارب احباب و رفقاء کو اس ارادے سے سخت حیرت ہوئی اور ازراہ شفقت اس زار و زار جان بلب مرئیض کو اس طویل سفر سے باز رکھنے (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

رخصت لیکر چلا آیا مسجد سے متصل مدرسۃ الشریعہ کے دارالاقامہ میں مولانا شیر محمد سندھی (۱) سے بھی رخصت لینے گیا۔
وضو فرما رہے تھے بڑی خوشی ظاہر کی اور الوداعی دعایں دیں۔

(گزشتہ سے پوسٹ) کی کوششیں کیں جو ضعف کے مارے بستر علات پر خود کروٹ بھی نہ لے سکتا تھا۔ بالآخر جب انہیں میرے بارہ مین مایوسی ہوئی تو باصر اسب نے مشورہ دیا کہ مین اولاد مدینہ طیبہ جاؤں اور موسم حج کے اختتام تک وہاں رہوں پھر بعد از موسم حجاج کرام کے بجوم و اذوا ختم ہونے پر بغرض عمرہ مکہ معظمہ چلا جاؤں۔ مگر میں نے سوچا کہ اس سے بڑھ کر بد قسمتی اور خسارہ کیا ہوگا کہ اتنا قریب رہ کر بھی میں عرفات کی اس مخصوص رحمت و برکت سے محروم رہوں جو حضرت حق جل مجدہ کی جانب سے اس کے وفا شعار بندوں پر اس دن نازل ہوگی اور رحمت سینے کا یہ قیمتی موقع کھونے کے بعد وہاں جاؤں میں نے اہل فیصلہ کیا کہ مجھے سعادت حج حاصل کرنی ہے۔ آگے اللہ تعالیٰ کی جو مرضی ہو۔ اگر وہ مجھے اسلامی واپس لوٹائے تو دولت ایمان و سعادت زیارت حرمین لیکر آ جاؤں گا۔ اور اگر اس نے وہاں ہی میری موت کا فیصلہ کیا ہو تو زہے نصیب دیا یہ محبوب کی موت اور وصال کی نعمت۔ جس کیلئے میں شدت سے بیتاب ہوں۔ اس سے قبل بیماری کے دوران ہی مجھے تین مرتبہ یورپ جانا پڑا۔ اور ہسپتالوں میں بغرض علاج داخل ہوا۔ میرا آخری سفر یورپ گذشتہ جولائی ۱۹۹۳ء کو ہوا۔ اور وہاں مجھے دماغ کا آپریشن کرانا پڑا۔ ان اسفار میں ہر مرتبہ اور ہر شہر میں مجھے مختلف ممالک کے ایسے خالص بھائی ملے جو ہر وقت میری تیمارداری اور آرام و راحت پہنچانے میں لگے رہے محض دینی اور اسلامی رشتہ کی خاطر ایک انجینیئر کیلئے رات بھر جاگتے اور ایک مسافر مریض کی پریشانیوں کا بوجھ اٹھاتے۔ پھر کیا اللہ تعالیٰ اس سفر میں مشفق ساتھیوں سے میری دھگری نہیں فرما دے گا۔ جو سفر کی کلفتوں اور نقل و حرکت کی صعوبتوں میں میری مدد کریں۔ جبکہ میں اس کی بارگاہ عالی میں شغابی حاصل کرنے جا رہا ہوں۔ ان تصورات سے میری ڈھارس بندھ جاتی۔ میرا حوصلہ اور بھی بلند ہونے لگا۔ اور وہ مبارک گھڑی بالآخر آنچلی اور ۱۳ ذی قعدہ کو دمشق سے روانہ ہو کر مدینہ منورہ پہنچا اور بارہ روز تک وہاں ٹھہر کر مکہ معظمہ چلا گیا اور تیسری مرتبہ اللہ تعالیٰ نے مجھے فریضہ حج کی ادائیگی کی توفیق دی۔ حج کے بعد چند دن تک مکہ معظمہ کی روح پرور فضاؤں سے لطف اندوز ہوتا رہا اور وہاں سے دوبارہ مدینہ طیبہ لوٹا وطن کی واپسی سے قبل چند دن مزید جو ار رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی سعادت حاصل کروں۔ لیکن مدینہ طیبہ میں مجھے اچانک ایسی شدید گرمی کا سامنا کرنا پڑا جسکی تاب میرا نحیف و زار جسم نہیں لاسکتا تھا۔ چنانچہ جلد ہی حجاز کے بہترین اور خوبصورت گرمائی مقام طائف میں چند دن ٹھہرنے کے خیال سے مجھے دوبارہ مکہ معظمہ واپس ہونا پڑا۔ طائف جس سے حضور نبی کریم علیہ السلام کی حیات مبارکہ کے عبرت انگیز واقعات وابستہ ہیں یہاں کا موسم بھی ایک حالت پر نہیں رہتا۔ فالج اور اعصابی مریض کے لئے ایسا موسم بہت مضر ہوتا ہے۔ اس لئے چند دن مکہ معظمہ میں ٹھہر کر میں نے واپسی کا عزم کر لیا۔ تاکہ گرمی کا باقی موسم دمشق ہی میں گذار سکوں۔ میں چاہتا ہوں کہ اس قریب سے ان چند انعامات خداوندی کا ذکر کروں جس سے مجھے خداوند تعالیٰ نے اس سفر میں نوازا اور یہاں کے خیر و برکت کے بارہ میں میرے تصورات، مشاہدات اور یقین سے بدل گئے۔

(۱) مولانا شیر محمد اور تعزیتی ادارہ: کئی رشک آفرین تھی وہ پاکیزہ زندگی جو پاکستان کے ایک گمنام فرزند حضرت مولانا شیر محمد صاحب سندھی مہاجر مدنی نے مدنی آقا (صلی اللہ علیہ وسلم) کی مجاورت کے شوق میں مدینہ طیبہ کے ایک گوشہ خلوت میں بسر کی انہوں نے اپنے وطن سندھ کو خیر باد کہا، تمام خویش و اقارب متوطنین اودا بستگان کی ایک جماعت سب کچھ چھوڑ چھا کر مدینہ طیبہ کی غربانہ سکونت کو ترجیح دی تقریباً سترہ سال وہاں رہے اور بالاخر ۸۵ برس کی عمر میں ۱۶ رزی الحجہ ۱۳۸۵ھ کو اپنے محبوب حقیقی سے جا ملے اور جگہ بھی اپنے محبوب مدنی کی آل اطہار کے قدموں میں پائی۔ انہوں نے حضرت مولانا غلیل احمد سہارنپوری، حضرت مولانا تھانوی، حضرت مولانا تاج محمد امروٹی (رحمہم اللہ) جیسے اکابر سے تربیت فیض حاصل کیا، اس دور میں جیسا کہ معاصر علماء کا اعتراف ہے۔ بلاشبہ مناسک حج کے امام تھے حضرت الامام مولانا رشید احمد گنگوہی کے مختصر رسالہ ”زبدۃ المناسک“ کو انہوں نے برسوں کی محنت اور تحقیق (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

شیخ عباسی اور دیگر شیوخ سے الوداعی ملاقات:

بعد از عصر شیخ عباسی سے بھی آخری ملاقات رہی وہاں بحرین کے قاضی اور دیگر بعض شیوخ سے حضرت نے خارف کرایا اور حضرت والد صاحب کے احوال انہیں سنائے رخصت لی، برادر محمد عبداللہ، حسن جان اور لطف اللہ عباسی اڈہ تک چھوڑنے ساتھ گئے، کئی موٹروں سے بات ہوئی آخر میں ایک کار والے نے بعد از نماز مغرب یہ کہہ کر جانے سے انکار کر دیا کہ حکومت نے بعد از مغرب سفر کی ممانعت کی ہے اگر ہم چلے بھی جائیں تو پہلے ہی چنگی۔ غزیرہ۔ میں روک دینگے۔ ہم خوش ہوئے کہ مرضی موٹی ازہمہ اولی الحمد للہ کہ جوار رسول اور مدینہ طیبہ میں ایک رات اور بھی نصیب ہوئی، مغرب اور عشاء کی نمازیں موقف کبر کے مسجد سابق (گھوڑ دور) میں پڑھیں سامان گاڑی سے اترا کر دوریال پر ایک قبوہ خانہ میں رکھا اور ہم اپنے رفقاء کیساتھ جامعہ چلے گئے رات وہاں گزاری

(گزشتہ سے پیوستہ) سے ایک ضخیم کتاب کی شکل دی آخر عمر تک حج و زیارت کے مناسک و مسائل کی تحقیق اور تنقیح ان کا محبوب مشغلہ رہا۔ دو سال قبل راقم کو قیام مدینہ کے دوران ان کی زیارت کی سعادت بارہا حاصل ہوئی (جبکہ وہ باب بصری میں مدرسۃ الشریعہ کے دارالافتاء کے کتب خانہ میں مقیم تھے اور ضعف (پیرائہ سالی میں تمام حوائج ضروریہ خود انجام دیتے) جب بھی انکی خدمت میں حاضری کا موقع ملا زبدۃ المناسک کے تعلیقات حواشی اور حک و اضافہ میں انہیں مصروف پایا۔ محسن میں ایک پٹلی چٹائی پر بیٹھے اور درگزر دہائی احکام کے مسودات نکھرے ہوتے فرمایا کرتے تھے کہ ”اس بارہ میں میری مثال اس بڑھیا کی مانند ہے ذرا بھی فرست پاتی تو چرچہ کھاتے بیٹھ جاتی۔“

بائیں ہمہ علم و فضل اور زہد و مشیت اس فنائی اللہ کی سادگی و وارفتگی اور عجز و انکسار کا یہ عالم تھا کہ انہیں دیکھ کر یہ گمان بھی نہ ہو سکتا کہ یہ گدڑی پوش فقیر ایک برگزیدہ عارف باللہ اور اپنے وقت کے مناسک حج کا امام ہے کیا اچھا ہو اگر ان کے اخلاف اور متوسلین سے کوئی صاحب ان کی سوانح اور مقامات رفیعہ کو قلمبند فرما کر یہاں کے دینی طبقوں کو ”زبدۃ المناسک“ کے اس جلیل القدر شارح کے احوال سے روشناس کرا سکے۔

رضى الله عنه وارضاه و نور الله ضريحه والله اعلم بالصواب (الكتاب الثاني من ١٢٨٨ جزء ٢٢٨)